تفسیر سورۂ فاتحہ

از افادات مولانا حمید الدین فراہی

(۲)

دوسری فصل

۱- عملی اور قولی تواتر (مثلاً حدیث خداج اور حدیث قسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی) سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ نماز کی سورت ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو جو نماز سکھائی تھی، اس میں بھی قریب قریب یہی کلمات ہم کو ملتے ہیں۔ گو نصاریٰ نے اس کے بعض الفاظ اور بعض الفاظ کے مدلولات فراموش کر دیے جیسا کہ قرآن مجید میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ (اور ان لوگوں سے جنھوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے میثاق لیا پس انھوں نے بھلا دیا اس کا ایک حصہ جس کے ذریعہ سے ان کو یاددہانی کی گئی تھی) ہم یہاں اس دعا کو نقل کرتے ہیں تاکہ فاتحہ کے ساتھ اس کی مطابقت اور پھر قرآن کی فضیلت نمایاں ہو سکے۔ لوقا باب ۱۱۔ ۱-۴ میں ہے:

"پھر ایسا ہوا کہ وہ کسی جگہ دعا کر رہا تھا جب کر چکا تو اس کے شاگردوں میں سے ایک نے اس سے کہا اے خداوند! جیسا یوحنا نے اپنے شاگردوں کو دعا کرنا سکھایا تو بھی ہمیں سکھا ○ اس نے ان سے کہا جب تم دعا کرو تو کہو اے ہمارے آسمانی باپ! تیرا نام پاک مانا جائے۔ تیری بادشاہی آئے ○ تیری مرضی زمین پر بھی پوری ہو جس طرح آسمان میں پوری ہوتی ہے ○ ہماری روز کی روٹی ہمیں دیا کرو اور ہمارے گناہ معاف کر کیونکہ ہم بھی اپنے ہر قرضدار کو معاف کرتے ہیں اور ہمیں آزمائش میں نہ لا بلکہ ہمیں شر سے نجات دے ○"

متی میں اس کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں:

"تیرے ہی لیے بادشاہی، قوت اور عظمت ہے ابد تک۔ آمین ○"

متی کے اکثر نسخوں میں یہ فقرہ نہیں تھا جس سے گمان ہوتا ہے کہ یہ بطور مقتدیوں کے جواب کے بڑھا دیا گیا ہے۔ اِن فقروں پر غور کرو گے تو فاتحہ کے ساتھ انکی مشابہت نہایت آسانی کے ساتھ واضح ہو جائے گی انجیل کے الفاظ "اے آسمانی باپ" "اے رب" کی خرابی ہیں۔ آل عمران، مائدہ، مریم اور زخرف وغیرہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا قول ان لفظوں میں نقل ہوا ہے اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ (بے شک اللہ میرا رب اور تمھارا رب ہے پس اُسی کی بندگی کرو)

سبحٰنک (تیرا نام پاک مانا جائے) ہمارے "الحمد للہ" کی طرح ہے لیکن "سبحنک" صرف تعظیم و تنزیہہ ہے اور "الحمد" جیسا کہ واضح ہوگا تعظیم اور شکر دونوں پر مشتمل ہے۔ "تیری بادشاہی آئے، زمین میں بھی تیری مرضی پوری ہو جس طرح آسمان میں پوری ہوتی ہے"، "مالک یوم الدین" سے مشابہہ ہے۔ لیکن یہ روزِ جزا کی دعا ہے اور "مالک یوم الدین" اذعان و توکل کا کلمہ ہے۔ ہمارے ہاں روزِ جزا کے لیے دعا سے احتراز کیا گیا ہے کیونکہ سورۂ شوریٰ میں فرمایا گیا ہے یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا وَيَعْلَمُوْنَ أَنَّهَا الْحَقُّ (اس کے لیے جلدی مچاتے ہیں وہ لوگ جو اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ پر جو ایمان رکھتے ہیں اس سے ڈرتے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ وہ واقع ہو کے رہے گی) لیکن حضرت مسیحؑ نے اس کے لیے دعا فرمائی اور ان کے لیے یہ دعا اس وجہ سے جائز ہوئی کہ وہ اپنے بعد ایک آسمانی بادشاہی کے ظہور کی بشارت دے رہے تھے اور یہ آسمانی بادشاہی روزِ جزا کے ظہور کے علاوہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر بھی مشتمل تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے بموجب دنیا کے لیے وہ شریعتِ فاصلہ نازل فرمائی جو ازل سے مقدر تھی۔ انجیل میں کتنی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ "آسمانی بادشاہی" سے مراد آنحضرت صلعم کی بعثت ہے۔ آیت وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ کے تحت ان شاء اللہ ہم اس کی پوری تفصیل کریں گے آنحضرت صلعم کی بعثت کے بعد آسمانی بادشاہی کا ایک جزء پورا ہو چکا تھا۔ اب صرف دوسرا جزء، روزِ جزا کا ظہور، باقی رہ گیا تھا اس لیے آنحضرت صلعم نے دعا نہیں فرمائی بلکہ حمد و اعترافِ ربوبیت کے بعد توکل و رجا کا اظہار کیا چنانچہ مشہور حدیث ہے کہ "نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان تقسیم ہے" یہاں تک فرمایا کہ جب بندہ مالکِ یوم الدین کہتا ہے

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے اپنے تئیں میرے حوالے کر دیا۔ اور ظاہر ہے کہ اس امر میں تفویض ہی بہتر ہے۔

"ہماری روز کی روٹی ہمیں روز دیا کر" بھی محتاجِ تفصیل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ تمثیلوں میں باتیں کرتے ہیں۔ روٹی سے وہ "روح القدس" مراد لیتے تھے جس سے صلحا و ابرار کی اصلی زندگی ہے۔ چنانچہ دعا کی تعلیم کے بعد اپنے عام طریقہ کے مطابق انھوں نے خود اس کی تفسیر بھی فرما دی "اگر تم بُرے ہو کر اپنے بچوں کو اچھی چیزیں دینا جانتے ہو تو آسمانی باپ (پروردگار) اپنے مانگنے والوں کو روح القدس کیوں نہ دے گا"۔ دوسری جگہ فرمایا "لکھا ہوا ہے (یعنی موسیٰ کے صحیفہ میں) کہ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلمہ سے جیتا ہے جو خداوند کی طرف سے آتا ہے (یعنی اس کے امر و حکم سے زندگی پاتا ہے، پس تمھاری زندگی اس کی شریعت کی پابندی میں ہے) یہ حضرت عیسیٰ کے اسی قول کی طرف اشارہ ہے کہ "آدمی صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ جو کچھ خداوند کے منہ سے نکلتا ہے اس سے جیتا ہے" پس "ہمیں روز کی روٹی روز دیا کر" کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں وہ چیز عنایت فرما جو ہماری ابدی زندگی کا ذریعہ ہو یعنی وہ روحِ ہدایت جو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام نے دعا کی شرح کرتے ہوئے خود اس کی طرف اشارہ فرما دیا۔ متی میں ہے "تنگ دروازہ میں داخل ہو وہ دروازہ کشادہ اور وہ راستہ چوڑا ہے جو موت کی طرف لے جاتا ہے اور اس میں داخل ہونے والے بہت ہیں اور وہ دروازہ بہت تنگ اور وہ راستہ بہت پتلا ہے جو زندگی کی طرف لے جاتا ہے اور اس کے چلنے والے بہت تھوڑے ہیں"۔ اس میں زندگی کے راستہ کی مثال تنگ راستہ سے دی ہے اور یہی وہ سیدھی راہ (صراط مستقیم) ہے جو بندے کو پروردگار کے پاس پہنچاتی ہے اور وہی زندگی کا سرچشمہ ہے کیونکہ زندگی دراصل یہ ہے کہ ہم اپنے پورے دل اور پوری جان سے اللہ تعالیٰ سے محبت کریں اور وہ ہدایت جو انبیاء علیہم السلام لے کر آئے ہیں اسی زندگی کی طرف رہبری کرنے والا راستہ ہے قرآن مجید میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارات ہیں۔ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (کیا جو مردہ رہا ہو پھر ہم نے اس کو زندگی بخشی ہو اور اس کو روشنی دی ہو جس کو لے کر وہ لوگوں میں چلتا ہو اس کے مانند ہو گا جو تاریکیوں کے اندر ہو اور ان سے نکلنے والا نہ ہو)

اس آیت میں ایمان کو زندگی اور اتباعِ شریعت کو روشنی لے کر چلنے سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ دونوں چیزیں لازم ملزوم ہیں۔ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتیں جیسا کہ فرمایا ہے وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس نے صراطِ مستقیم کی ہدایت پائی)۔

یہ انجیل کے فقرات کی شرح تھی جس کی تائید قرآن مجید کی اُن آیات سے ہوتی ہے جن میں جگہ جگہ حضرت عیسیٰ کے اقوال کی ترجمانی کی گئی ہے مثلاً اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (بے شک اللہ میرا اور تمھارا رب ہے پس اسی کی بندگی کرو، یہ سیدھا راستہ ہے) یعنی اللہ واحد کی بندگی جو اس کی بھیجی ہوئی شریعت کی اطاعت پرشامل ہے۔ پس حضرت مسیح کی دعا، ہماری دعا "اہدنا الصراط المستقیم" کے ہم معنی ہے اور ان کا قول "ہمارے گناہ معاف کر ہم بھی اپنے ہر قرضدار کو معاف کرتے ہیں" عفو کی التجا بل عفو کے وسیلہ سے ہے۔ ہم "ایاک نعبد وایاک نستعین" میں ہر اچھے کام کے کرنے اور ہر بُرے کام سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد چاہتے ہیں۔ ہم نے عفو اور اجر کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا ہے اور مختلف پہلوؤں سے دعا کے ادب کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے۔ ہم نے یہ نہیں کہا کہ "ہماری مدد کر" اور نہ یہ ہی کہا کہ "ہماری مدد کر کیونکہ ہم تیری مخلصانہ بندگی کرتے ہیں"۔ ہم نے وسیلہ کا ذکر کنایہ سے کیا ہے یعنی یہ کہ ہم تیرے سوا کسی کو معبود نہیں بناتے۔ لیکن ہماری دعا دو وسیلوں پر مشتمل ہے کیونکہ "ایاک نستعین" خود بھی ایک وسیلہ ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے تیرے سوا کسی کو مستعان نہیں بنایا۔ اور یہ معلوم ہے کہ یہی دو وسیلے سب سے بڑے وسیلے ہیں۔ تمام احکام میں سب سے بڑا حکم توحید ہے۔ حضرت عیسیٰ سے پوچھا گیا کہ "سب سے پہلا حکم کیا ہے"؟ انھوں نے فرمایا کہ "سن اے اسرائیل! اللہ ہمارا رب ایک ہے۔ اور یہ کہ تو اپنے خداوند سے محبت کر اپنے سارے دل، اپنی ساری جان، اپنی ساری عقل اور اپنی ساری قوت سے۔ یہ سب سے پہلا حکم ہے"۔ یعنی موسیٰ کی شریعت میں اسی طرح آیا ہے، اور توحید ہر نبی کی اولین تعلیم ہے۔ سورۂ ہود وغیرہ میں اس کے نہایت واضح شواہد موجود ہیں۔

"اور ہمیں آزمائش میں نہ لا اور شر سے بچا"۔ یعنی آزمائش کی لغزشوں سے بچا کہ جمنے کے بعد قدم اکھڑنے نہ پائیں۔ یہ دعا حضرت مسیح کے حسب حال ہے۔ انجیل میں آزمائش سے بچنے کی دعا بہت ہے۔ اور اس کی وجہ ان کی خشیت اور

آزمائشوں کی کثرت ہے۔ لیکن آزمائش اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ کسی صورت میں اس سے مفر نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (اس نے پیدا کیا ہے موت اور زندگی کو تاکہ تم کو جانچے کہ تم میں کس کا عمل بہتر بن ہے) دوسری جگہ ارشاد ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ (کیا لوگوں نے گمان کر رکھا ہے کہ مجرد یہ کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی جانچ نہیں ہوگی، حالانکہ ہم نے جانچا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گذرے) اس کے علاوہ بہت سے انبیاء کی آزمائشیں بھی بیان ہوئی ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہے وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (جبکہ ابراہیم کو اس کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا تو اس نے پوری کردیں فرمایا میں تم کو لوگوں کا امام بناؤں گا) اسی طرح آدم علیہ السلام کو جنت کے درخت اور نوح علیہ السلام کو ان کے بیٹے کے بارے میں آزمایا اور فرمایا اِنِّیْٓ اَعِظُکَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ (میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں سے مت بنو) چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے توبہ واستغفار کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی نسبت ہے وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ (اور داؤد نے گمان کیا کہ ہم نے اس کو آزمایا پس اس نے اپنے رب سے مغفرت مانگی) اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی نسبت ہے وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَاَلْقَیْنَا عَلٰی کُرْسِیِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ (اور ہم نے سلیمان کو آزمایا اور ڈالدیا اس کے تخت پر ایک دھڑ پھر وہ ہماری طرف متوجہ ہوا) حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا ابتلاء یہود کے صحیفوں میں مذکور ہے یہاں تک کہ ان لوگوں نے یردن کے اسی پار انتقال کیا اور ارض موعود تک قوم کی رہبری نہ کرسکے۔ حضرت مسیحؑ کے ابتلاء کی تفصیل آگے آئے گی۔ حضرت یوسفؑ کی سرگذشت امتحان معلوم ہے۔ حضرت ایوبؑ کے شکوے سفر ایوب میں دیکھو۔ حضرت یحییٰؑ کی آزمائش قتل سے ہوئی۔ یہ باتیں سب کو معلوم ہیں۔ جو نہیں معلوم ہیں ان کو اسی عام اور ہمہ گیر کلیہ سے سمجھ لینا چاہیے جو خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا اور اس مضمون کی دوسری آیات میں بیان ہوا ہے۔

ان باتوں کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی خشیت کی شدت اور اپنی امت کی کمزوری

کی وجہ سے برابر آزمائش سے پناہ مانگتے رہے۔ ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی چالیس دن تک سخت آزمائش ہوئی اور ویسے تو ان کی ساری زندگی آزمائشوں کا ایک سلسلہ ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھایا اور زمین کے فتنوں سے نجات بخشی جیساکہ قرآن مجید میں وارد ہے اِنِّیْ رَافِعُكَ اِلَیَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (میں تم کو اپنی طرف اٹھانے والا اور کافروں سے نجات دینے والا ہوں) اسی طرح ان کی امت کو بھی اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈالا اور جو ان میں اہلِ ایمان تھے ان کو راہِ حق پر ثابت قدم رکھا۔ سورۂ بروج میں اس کے اشارات موجود ہیں اور تاریخ تو ان کی آزمائش و استقامت کے واقعات سے معمور ہے (دعا کے اس فقرہ کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس ہولناک فتنہ کو دیکھ لیا تھا جو آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے منہ کھولے ہوئے کھڑا تھا۔ اس کی پوری تفصیل سامنے لانے کے لیے اُن واقعات کو یاد کرنا چاہیے جو آپ کی امت کو پیش آئے اور جن کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ حضرت نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے سوا ان کی نجات کی کوئی صورت ہی باقی نہ رہ گئی)

اور یہ جو حضرت مسیح نے فرمایا کہ "ہمیں شر سے نجات دے" تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دی اور جس طریقہ سے انھوں نے مانگی تھی اس سے بہتر طریقہ پر نجات دی لیکن اس امر کو یاد رکھنا چاہیے کہ طلب نجات کے ساتھ ساتھ وہ مرضیِ الٰہی پر بھی راضی تھے جو اصل دولتِ جاودانی ہے۔ انجیل کا وہ منظر میری چشمِ تصور کے سامنے ہے جبکہ حضرت مسیح علیہ السلام کوہِ زیتون پر مقامِ جسمنی میں حواریوں سے بالکل الگ تھلگ اللہ کے حضور گریہ وزاری کر رہے ہیں اور یہ دعا کر رہے ہیں کہ "اے خداوند! یہ پیالہ مجھ سے ہٹا لے، تو ہر بات پر قادر ہے لیکن میں اپنی مرضی پر تیری مرضی کو ترجیح دیتا ہوں، پس تیری ہی مرضی پوری ہو" آپ نے اپنے حواریوں کو بھی حکم دیا کہ دعا میں شریک ہوں لیکن وہ سو گئے۔ آپ بار بار ان کے پاس آتے اور پلٹ کے پھر جاتے اور دعا و مناجات میں سرگرم ہوتے۔ وہ ساعت بھی نگاہِ تخیل کے سامنے ہے جب تمام اسباب و وسائل کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور آپ پکار اٹھتے ہیں "خداوندا خداوندا تو نے کیوں مجھے چھوڑ دیا"۔ وہ وقت بھی قابلِ لحاظ ہے جبکہ موت کا پیالہ ان کے ہونٹوں سے لگ جاتا ہے لیکن

اللہ تعالیٰ اس کو ہٹا دیتا ہے اور ان کو اٹھا کر کافروں کو نجات بخشتا ہے۔ اسی طرح ان کی امت کے اُن اہل ایمان کو بھی اللہ تعالیٰ نے نجات دی جو نبی امی صلعم پر ایمان لائے جس کی انھوں نے خوشخبری دی تھی اور آئندہ بھی جو ایمان لائیں گے وہ نجات پائیں گے۔ پس امت آنحضرت کے مخلصین کے بارے میں آپ کی دعا قبول ہوئی۔ وہ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے اور آئندہ داخل ہوتے رہیں گے۔ لیکن ظالموں کے باب میں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نہیں قبول ہوئی اسی طرح آپ کی دعا بھی نہیں قبول ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور اس کا جواب قرآن مجید میں یوں مذکور ہے۔ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ (پوچھا اور میری اولاد میں سے؟ فرمایا میرا عہد ان لوگوں کو شامل نہیں ہے جو ظالم ہیں) یہ تفصیل ہوئی ان کی دعا کے اس فقرہ کی کہ "ہم کو فتنہ میں نہ ڈال اور شر سے نجات دے"۔

اس کو واضح کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ فقرہ توضیح مزید ہے اس فقرہ کی کہ "ہمیں رزق کی روٹی دیا کر"۔ کیونکہ روٹی سے مراد، جیسا کہ بیان ہوا، روح قدس اور روح ہدایت ہے۔ تو جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی اس کو لاریب فتنہ اور ہر قسم کے روحانی شر سے نجات بخشی۔ پس یہ اصل ہدایت کی دعا ہے۔ پھر بعد کی تغیر سے انھوں نے یہ بات واضح فرما دی کہ اس زندگی کا دروازہ تنگ اور اس کا راستہ تنگ ہے، جس سے یہ بات صاف ہو گئی کہ اس سے مراد وہ ہدایت الٰہی ہے جس کو انبیاء علیہم السلام لے کر آئے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ دعا دراصل شریعت کے اہتمام اور اس فتنہ ضلالت کے سدباب کے لیے تھی جس کا آپ کو اپنی امت کے متعلق اندیشہ تھا اور جس کی ایک عبرت انگیز مثال یہود کی زندگی میں موجود تھی کہ خود مسیح علیہ السلام کی نبوت ان کے قبولِ حق کی راہ میں ایک پتھر بن گئی جیسا کہ انجیل میں اس کی تصریح ہے اور خود قرآن نے بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے وَلَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَأَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رُسُلًا، كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ، وَحَسِبُوا أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةٌ فَعَمُوا وَصَمُّوا ثُمَّ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوا وَصَمُّوا كَثِيرٌ مِنْهُمْ (مائدہ) (اور ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے،

جب جب آیا ان کے پاس کوئی رسول ایسی باتیں لے کر جو ان کی خواہشوں (بدعات) سے میل نہ کھاتیں تو ایک گروہ کا انھوں نے انکار کر دیا اور ایک جماعت کو وہ قتل کرتے رہے اور انھوں نے گمان کیا کہ کوئی فتنہ نہ ہوگا پس اندھے بہرے بن گئے، پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی پھر اندھے بہرے بن گئے ان میں سے بہتیرے

ٹھیک اسی طرح ہمارے ہاں سورۂ فاتحہ میں "صراط الذین انعمت علیہم" کے الفاظ اس طریق ہدایت کی توضیح کر رہے ہیں جس کا ذکر اوپر "اہدنا الصراط المستقیم" میں گذر چکا ہے اور یہ غایت درجہ اہتمام ہے اس ہدایت کے لیے جس میں ایک امت بھٹک چکی ہے اور ایک خدا کے قہر و غضب کی مستحق ٹھیر چکی ہے اور چونکہ قرآن مجید ایک واضح ترین کتاب ہے اس لیے اس اجمال کی بھی اس نے ایسی وضاحت فرما دی ہے کہ جس کے بعد کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

ہمارا برانچ آفس

جب سے صدر دفتر ترجمان القرآن، دار الاسلام، پٹھان کوٹ میں منتقل ہوا ہے ہم نے ایک برانچ آفس لاہور میں کھول دیا ہے تاکہ مقامی حضرات کو ہمارا لٹریچر حاصل کرنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ ضرورت مند حضرات اس پتہ پر تشریف لائیں (۱۵۵ الف سرکلر روڈ بیرون موچی دروازہ - لاہور)

ہماری ایجنسیاں

(۱) احترام اینڈ سنز جنرل مرچنٹس امین آباد لکھنؤ

(۲) عزیز بک ڈپو سکول بک ایجنسی امین آباد لکھنؤ

(۳) آزاد نیوز ایجنسی ۱۰ برانڈ تھ چاندنی چوک بنگلور چھاؤنی

(۴) مکتبہ ابراہیمیہ - حیدر آباد دکن

(۵) سید مختار محمد صاحب کتب خانہ نمالا جات بالمقابل معظم جاہی مارکیٹ (حیدر آباد دکن)

(۶) مولوی محمد یونس صاحب مکان ۳۹۰ محلہ حبیب نگر نامپلی (حیدر آباد دکن)

(۷) منشی بشیر احمد صاحب ہاکر سیلز نیوز ایجنٹ چھوٹا بازار مہو چھاؤنی

(۸) اسلامی کتاب گھر - بیری والا باغ - پل بنگش دہلی۔